ماہنامہ

علمیت

لاہور

اپریل 2024

پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر
ڈین سوشل سائنسز، لاہور لیڈز یونیورسٹی

ڈاکٹر ندیم بھٹی
وائس چانسلر، لاہور لیڈز یونیورسٹی

پروفیسر ڈاکٹر شاہد منیر
چیئرمین، پنجاب ہائیر ایجوکیشن کمیشن

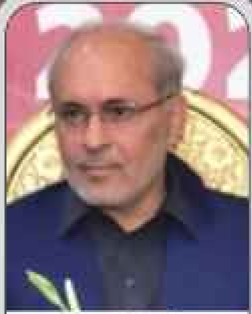
پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود
وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی

ڈاکٹر امجد ثاقب
چیئرمین، اخوت فاؤنڈیشن

ڈاکٹر خالد بن محمد الابدالی
ریاست عمان

پروفیسر ڈاکٹر ریاض الحق طارق

LAHORE LEADS UNIVERSITY

پروفیسر ڈاکٹر رؤف اعظم
[illegible]

محمد راسلی
ملائیشیا

ڈاکٹر جاوید اقبال
لاہور لیڈز یونیورسٹی

مقبول ملک
ڈپٹی ڈائریکٹر، ڈی جی پی آر

تجمل عباس رانا
قائد اعظم لائبریری، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر شاہد فاروق
ادارہ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی

پروفیسر ڈاکٹر طارق محمود چوہدری
ڈائریکٹر، ادارہ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی

انٹیگریشن آف سوشل سائنسز کانفرنس، لاہور لیڈز یونیورسٹی

تصویری جھلکیاں

وائس چانسلر لیڈز یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود، پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر ڈین لاہور لیڈز یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر طارق محمود ڈائریکٹر آئی ای ار کانفرنس کے آخری اجلاس میں اسٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر روف اعظم، وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی رسول، پروفیسر ڈاکٹر شاہد منیر، چیئرمین، پنجاب ہائیر ایجوکیشن کمیشن زیلائی بن نیک چیک، ملائیشیا، پروفیسر ڈاکٹر ریاض الحق طارق یادگاری شیلڈز وصول کر رہے ہیں۔

پاکستان میں شعبہ تعلیم کا ترجمان
Monthly ILMIAT Lahore
ماہنامہ
علمیت لاہور

جلد نمبر 6 | شمارہ نمبر 03 | اپریل 2024

Monthlyilmiat@gmail.com   www.ilmiatonline.com   facebook.com/ilmiat

چیف ایڈیٹر: احمد علی عتیق

ڈپٹی ایڈیٹر: پروفیسر محمد شریف

مجلس ادارات
- میاں عمران مسعود
- عباس تابش
- محمد اقبال چاند
- مرزا کاشف
- چوہدری افتخار احمد

قانونی مشیر: مقصود ملک ایڈووکیٹ، لاہور ہائی کورٹ

نمائندگان
- محمد زین العابدین... میانوالی
- مزمل شبیر... بہاولپور
- مظفر اقبال... لودھراں

گرافکس ڈیزائنر: ظہیر غوری

فہرست مضامین

نئی حکومت اور تعلیمی شعبہ کی صورتحال۔ (اداریہ)	05
انحطاط پذیر تعلیمی تحقیق	07
لیڈز یونیورسٹی میں کانفرنس	09
تقریب بسلسلہ ریٹائرمنٹ، ملک محمد یعقوب	11
اکیسویں صدی کا تعلیمی ادارہ	12
واٹس ایپ کے موجد	16
ہمدرد نونہال اسمبلی	18

انشاء اللہ تعالیٰ
ماہ جون 2024 سے ماہنامہ علمیت لاہور کے نئے دور کا آغاز
تربیت معلومات کے ساتھ

برائے رابطہ
56۔ لارکس کالونی گرڈ سٹیشن ایکسٹینشن II نزد وانڈیا پھاٹک مغل پورہ روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
0333-4969330
0300-8878410

قیمت فی شمارہ: -/200
زرِ تعاون سالانہ: -/2000

احمد علی پبلشر نے پرنٹر انتخاب جدید پریس سے چھپوا کر 56 لارکس کالونی گرڈ سٹیشن ایکسٹینشن II مغلپورہ روڈ گڑھی شاہو لاہور سے شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا

اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔
(طٰہٰ:۱۱۴)

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خَیرُکُم من تعلَّمَ القرآنَ وعلَّمَہُ

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھلائے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پُوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے
مقامِ گُفتگو کیا ہے اگر مَیں کیمیاگر ہوں
یہی سوزِ نفَس ہے، اَور میری کیمیا کیا ہے!

علامہ محمد اقبالؒ

تعلیم ہماری ملت کے لیے زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ دنیا تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ اگر آپ زیور تعلیم سے آراستہ نہیں ہوں گے۔ تو ہم دنیا سے مکمل پسماندہ ہوں گے

فرمان قائد اعظمؒ

بادشاہی صرف خدا کا حق ہے

جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے جو اُن کی پرورش اور بالیدگی کا سامان کر رہا ہے، جس کے سہارے پر انکی اور ساری دنیا کی ہستی قائم ہے اور جس کے زبردست قانون کی گرفت میں کائنات کی ایک ایک چیز جکڑی ہوئی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

نئی حکومت اور تعلیمی شعبہ کی صورتحال

حالیہ انتخابات کے نتیجے میں وفاق اور صوبوں کی سطح پر حکومتیں قائم ہوچکی ہیں اور صوبائی اور وفاقی وزرا بھی کام کا اغاز کر چکے ہیں۔ یہ حکومت جن حالات میں برسر اقتدار آئی ہے وہ ہمارے ملک کی معاشی حالت کے حوالے سے حوصلہ کن نہیں۔ ہمیں اپنے روزمرہ کے معاملات بھی چلانے کے لیے آئی ایم ایف کی امداد کی سخت ضرورت ہے اور یہ امداد حاصل کرنے کے لیے وفاق اور صوبے عوام پر نئے ٹیکس لگا رہے ہیں اور آئی ایم ایف کی کڑی شرائط قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک کی معاشی پالیسیاں سیاست دانوں اور افسر شاہی نے ترتیب دی ہیں۔ مگران کی ناکامی اور معاشی مسائل کا سارا بوجھ عوام اور اوامفاد عامہ کے اداروں پر پڑ رہا ہے جن میں محکمہ تعلیم بھی شامل ہے، پچھلے بجٹ میں میں تعلیمی ترقیاتی بجٹ میں کٹوتی کی گئی تاہم معمول کا کام محکمہ کرتا رہا۔ محکمہ تعلیم ہر ملک کا ایک اہم ترین شعبہ ہوتا ہے، جس پر ملک کی ترقی اور معیشت کا دارومدار ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت کی معاشی مجبوریاں اپنی جگہ مگر تعلیمی شعبے کے مفادات کا تقاضا ہے کہ معاشی مشکلات کے باوجود جہاں تک ہوسکے محکمہ تعلیم کی جائز ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض معاملات مثال کے طور پر ہمیں ترقیاتی سکیموں کے لیے فنڈز کی ضرورت ہے، اگر اس میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہو بھی جائے، تو کوئی بات نہیں۔ مگر یہ وقت کی ضرورت ہے کہ پہلے سے قائم شدہ اداروں کو بطریق احسن چلایا جائے اور ان کی ضروریات پوری جائیں۔

خواندگی میں اضافہ کے لیے سکول ایجوکیشن کا بڑا کردار ہے دیگر شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی حکومت کی توجہ کا خصوصی طور پر مستحق ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے بچے ابھی سکولوں میں انے سے قاصر ہیں اور ان کی تعداد کئی ملین بنتی ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ نجی اور سرکاری شعبے کو ساتھ ساتھ لے کر چلے تاکہ شرح خاندگی میں اضافے کو یقینی بنایا جائے، مشہور ماہر ڈاکٹر شاہد سرویا کی قیادت میں پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن کی مرتب کردہ رپورٹ، بڑی حد تک صورتحال کو واضح کرتی ہے جو حکومت کی خصوصی توجہ کی متقاضی ہے

پاکستان انسٹیوٹ آف ایجوکیشن کی رپورٹ کے مطابق بلوچستان جیسے پسماندہ تعلیم کے شعبے میں نمایاں چیلنجز کا سامنا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ صوبے میں صرف 23 فیصد پرائمری سکولوں میں پینے کا پانی دستیاب ہے۔ آزاد جموں کشمیر میں 31 فیصد پرائمری سکولوں کو پینے کے پانی تک رسائی حاصل ہے۔ سندھ میں 61 فیصد، گلگت بلتستان کے 63 فیصد پرائمری سکولوں میں پینے کا پانی دستیاب ہے۔ مڈل سکولوں میں بھی صورتحال زیادہ بہتر نہیں ہے بلوچستان میں 40 فیصد اور آزاد جموں وکشمیر کے 62 سکولوں میں صرف پینے کا پانی دستیاب ہے۔ رپورٹ کے مطابق سندھ کے صرف 59 فیصد بلوچستان کے 39 فیصد آزاد جموں کشمیر کے 31 فیصد اور گلگت بلتستان

کے 61 فیصد سکولوں میں چار دیواری ہے۔بجلی کی دستیابی بھی اہم مسلہ ہے جبکہ پنجاب میں تمام پرائمری سکولوں کو بجلی فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔دوسرے صوبوں اور علاقوں میں یہ اعداد شمار توجہ طلب ہیں۔بلوچستان میں صرف 15 فیصد، آزاد جموں وکشمیر میں 21 فیصد، سندھ میں 38 فیصد اور گلگت بلتستان میں 44 فیصد سکولوں کو بجلی فراہم کی گئی ہے۔پرائمری سکولوں میں بیت الخلا کی سہولت ناپید ہے۔بلوچستان میں 33 فیصد، آزاد جموں کشمیر میں 42 فیصد اور سندھ میں 57 فیصد اسکولوں میں بیت الخلا کی سہولت موجود ہے۔ رپورٹ میں مذید کہا گیا ہے کہ پاکستان بھر کے 24 فیصد پرائمری سکولوں میں طلبہ کے لیے بیت الخلا کی سہولت نہیں ہے۔ 10 فیصد مڈل اور تین فیصد ہائی سکولوں میں یہ بنیادی سہولت نہیں ہے۔پنجاب میں 99 فیصد پرائمری سکولوں اور تمام مڈل اور ہائی سکولوں میں بیت الخلا موجود ہیں۔لیکن سندھ میں 43 فیصد پرائمری سکولوں میں یہ سہولت نہیں ہے اور 25 فیصد مڈل اور سات فیصد ہائی سکول سہولت سے محروم ہیں۔کے پی کے میں صورتحال نسبت بہتر ہے اس کے 93 فیصد پرائمری سکول 97 فیصد مڈل سکول اور 99 فیصد ہائی سکولوں میں یہ سہولت طلبہ کے لیے دستیاب ہے۔بلوچستان میں صورتحال تشویش ناک ہے 77 فیصد پرائمری سکول اور اور چار فیصد ہائی سکولوں میں طلبہ کے لیے بیت الخلانہیں ہیں۔آزاد کشمیر میں 58 فیصد پرائمری 34 فیصد مڈل اور 23 فیصد ہائی سکولوں میں یہ سہولت موجود نہیں ہے۔گلگت بلتستان میں 28 فیصد پرائمری اور 10 فیصد مڈل سکولوں میں بھی اس چیز کا فقدان ہے۔سکولوں کی تعداد 227506 ہے۔یہ سکول 42,567130 طلبہ کو تعلیمی سہولتیں فراہم کررہے ہیں پاکستان کے تعلیم کے نظام میں تمام سطحوں پر کل تین لاکھ 313418 سرکاری اور نجی سکول بھی اس میں شامل ہیں۔یہ رپورٹ کافی چشم کشا ہے اور حکومتکی طرفسے ہنگامی اقدامات کی متقاضی ہے۔

جہاں تک ہائر ایجوکیشن کا مسلہ ہے۔اس شعبے کے اداروں کی حالت بھی تسلی بخش نہیں ہے۔سرکاری شعبے کی تمام یونیورسٹیاں مالی مشکلات کا شکار ہیں۔یہاں تک کہ ان کو روزمرہ کی ضرورتیں پورا کرنے کے لیے بھی فنڈز کی کمی کا سامنا ہے۔دوسری بدانتظامی جو دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہائر ایجوکیشن کے میں بہت سی یونیورسٹیوں میں وائس چانسلرز کی آسامیاں خالی ہیں۔کافی مہینے گزرنے کے باوجود نئے وائس چانسلرز کی تعیناتی نہیں کی گئی اور جونیئر افسران اور اساتذہ اس پوسٹوں پر کام کررہے ہیں۔۔نئی حکومت کو چاہیے کہ ہنگامی بنیادوں پر سرچ کمیٹی قائم کرکے میرٹ پر اچھی صلاحیتوں کے حامل ماہرین تعلیم کو وائس چانسلر کی اسامیوں پر تعینات کرے۔اس کے علاوہ گزشتہ ادوار میں ہر ضلع میں یونیورسٹیاں سیاسی بنیادوں پر قائم کی گئیں۔جبکہ ان اداروں کو زمینی حقائق کو مدنظر رکھ کر قائم کرنا چاہیے تھا۔اس لیے ایک تجویز یہ بھی ہے کہ نئی حکومت نئی یونیورسٹیاں قائم نہ کرے بلکہ جن کو پہلے قائم کیا گیا ہے ان کی حالت بہتر بنانے پر توجہ دی جائے۔دوسرا یہ کہ یونیورسٹیوں میں خود کفالت کا نظام قائم کیا جائے اور صنعتی شعبے سے تعاون حاصل کیا جائے۔تاکہ اعلی تعلیم کے اداروں کو معاشی وسائل میسر آسکیں۔

انحطاط پذیر تعلیمی تحقیق

پروفیسر فاروق چوہدری

ہمارے تعلیمی نظام پر چاروں طرف سے انگلیاں اٹھنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد تحقیق پر استوار نہیں کی گئی سوچ بچار تحقیق کی پہلی سیڑھی ہے اور ہمارے یہ بدقسمتی ہے کہ ہم نے ابھی تک پہلی سیڑھی پر قدم نہیں رکھا، کافی عرصہ پہلے راولپنڈی میں ایک شام ،شام ہمدرد کے نام سے منعقد کی گئی، موضوع گفتگو نصاب تعلیم تھا جس پر عرفان نیاز ڈاکٹر ذوالکیف احمد اور راقم الحروف کو دعوت کلام دی گئی جناب عرفان نیاز اور ڈاکٹر ذوال کیف احمد کے تقاریر کے دوران جناب حکیم محمد سعید بھی تشریف فرما تھے لیکن جب میری باری ائی تو ان کی کراچی کے لیے فلائٹ کا ٹائم ہو گیا لہذا وہ چند لمحے بیٹھے اور پھر سیکرٹری کو کوئی ہدایت دے کر کے ڈاکٹر فاروق کی تقریر کی ویڈیو انہیں پہنچا دی جائے اُٹھ کر چلے گئے بعد میں ان کا یہ پیغام ملا کہ وہ میرے ساتھ نصاب تعلیم کے بارے میں ایک نشست رکھنا چاہتے ہیں ابھی ایک نشست کا بندوبست ہونا باقی تھا کہ انہیں گورنر سندھ کی ذمہ داری سنبھالنا پڑی بعد ازاں کسی وطن دشمن سنگ دل قاتل کے ہاتھوں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا لہذا اس نشست کا اہتمام نہ ہو سکا اپنی گفتگو کے دوران میں نے جب میں نے عرفان نیاز تھے جو ایک عرصے تک فیڈرل بورڈ آف انٹرمیڈیٹ وسیکنڈری ایجوکیشن اسلام آباد کے سیکرٹری بعد ازاں چیئرمین کے عہدوں پر فائض رہے پوچھا عرفان صاحب میٹرک کے امتحان میں انگریزی سے اردو میں ترجمے کا سوال کتنے نمبروں کا ہوتا ہے عرفان صاحب نے جواب دیا ''15 نمبروں کا''۔ میں نے کہا جناب! آپ کا استاد دو سال میں صرف 15 نمبروں کی انگریزی پڑھتا ہے اور 135 نمبروں کو پوچھتا ہی نہیں یہ نصیبوں جلے طالب علم کا دردسر ہے کہ وہ گیٹ تھرو گائیڈ استعمال کرے یا ٹیسٹ کے پیپر کے نازک صفحات پر بلیڈ چلائے سبق میں دو یا اڑھائی صفحوں کا ترجمہ ہوتا ہے اور چھ سات صفحات پر مشتمل سٹرکچر (Structure) جس سے انگریزی زبان سیکھنے میں مدد ملتی ہے لیکن تعلیم وتربیت سے پیدل استاد ان چھ سال صفحات کو ہاتھ لگانے کی ہمت ہی نہیں رکھتا تو انگریزی کے مضمون کا اچھا رزلٹ کیسے دکھا پائے گا؟ ہماری بدقسمتی ہے ہم اپنی تعلیم کا بیشتر عرصہ انگریزی سیکھنے میں گزار دیتے ہیں مگر کم بخت آتی پھر بھی نہیں۔

اس مجلس میں سابق ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب جناب قاضی صغیر الحق مرحوم ومغفور بھی تشریف فرما تھے وہ بے ساختہ بولے فاروق صاحب واقعی ہم نے تو کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں، آپ نے جو بات کہی ہے یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے میں نے عرض کیا قاضی صاحب یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے سوچنا چھوڑ دیا، سوچ بچار تحقیق کی پہلی سیڑھی ہے جب پہلی سیڑھی پر ہی قدم نہ رکھا جائے تو تحقیق کی بلندیوں کو کیسے چھوا جائے گا؟ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں ہم نے اپنے اداروں کو تحقیق کلچر سے پاک رکھنے میں ہی عافیت سمجھی ہے۔

تحقیق اور مسئلے کا چولی دامن کا ساتھ ہے، جب ہمیں کوئی مسئلہ درپیش ہو ہم اس کے حل کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں یہیں سے تحقیق کا آغاز ہو جاتا ہے گھر میں کوئی مسئلہ ہو تو میاں بیوی مل بیٹھتے ہیں اور اس کے حل کے لیے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے، گاؤں یا محلے میں کسی مسئلے کا سامنا ہو تو پنچایت یا جرگہ کہ اراکین اکٹھے ہو جاتے ہیں مسئلہ پیش کیا جاتا ہے جس کے سرکردہ رکن مسئلے کے حل کے لیے مفروضوں پر مبنی مختلف تجاویز دیتے ہیں ہر مفروضہ (Hypothesis) معزز رکن کی عقل ودانش اور ذاتی تجربے پر مبنی ہوتا ہے۔ ان تجاویز پر بحث ہوتی ہے ،جب ایک سے زیادہ مفروضے یا تجاویز قابل قبول نظر آئیں تو پھر ان پر رائے شماری کرائی جاتی ہے اور جس کے حق میں زیادہ اراکین کی رائے ہو اسے قبول کر لیا جاتا ہے اور آخر میں اس پر عمل درامد کے لیے سفارشات پیش کی جاتی ہیں اس سارے عمل کو جب باقاعدگی کے ساتھ منظم شکل میں اختیار کر لیا جائے تو یہ باقاعدہ تحقیق کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تحقیق بنیادی طور پر ایک ذہنی کاوش ہے جسے فکر ودانش کے سہارے پروان چڑھایا جاتا ہے یہ مسائل کے متعلق ایسا طریقہ ہے جس سے حقائق کی روشنی میں مسائل کا حل معلوم کیا جاتا ہے۔

اس وقت ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں تعلیمی تحقیق قحط کا شکار ہے ملک میں تحقیق کا کلچر پروان چڑھنے ہی نہیں دیا گیا مختلف ایجنسیوں کے ذریعے ہونے والی تحقیق کا زیادہ تر انحصار جعلی اعداد وشمار پر ہوتا ہے۔ اگر سنجیدگی سے کوئی تحقیق کی بھی جائے تو اس کے نتائج سفارشات پر عمل درامد تو دور کی بات ہے اسے پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی جاتی اور وہ الماریوں میں پڑی پڑی دیمک کی خوراک بن جاتی ہے۔ 1984 میں بلوچستان کی حکومت نے وفاقی حکومت سے کہا ان کے شعبہ تعلیم کے انتظامی مینجمنٹ سٹرکچر کو

سٹڈی کیا جائے اور اس کی اصلاح کے لیے سفارشات پیش کی جائیں اس مقاصد کے لیے اوایںڈ ایم ڈویژن سے فضل حسین چوہدری اور وزارت تعلیم سے راقم الحروف کو نامزد کیا گیا ہم نے باہمی مشاورت سے اپنا کام سرحد (اب خیبر پختونخوا) سے شروع کیا وہ اس لیے ،کہ کئی امور میں ان دونوں صوبوں میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے سب سے پہلے ہم پشاور ڈویژن کے ڈائریکٹر شاہجہان خاں کے پاس گئے تاکہ کچھ معلومات حاصل کرسکیں، ان کی سیٹ کے ساتھ رکھے ریک پر نظر پڑی تو ان میں ایک رپورٹ نظر آئی جو ہمارے کام سے بڑی مطابقت رکھتی تھی ٹائٹل تھا "صوبہ سرحد میں تعلیمی اصلاحات" میں نے اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو شاہ جہاں خان کے لبوں پر پر معانی مسکراہٹ تھی۔ رپورٹ کے متن میں سرفہرست نام لال حبیب خان کا تھا ٹائٹل پلٹ کے دیکھا تو اندر 1979 کی تعلیمی پالیسی کی فوٹو کاپی کر کے لگائی گئی تھی اور حرام ہے جو اپنی طرف سے ایک لفظ لکھنے کی بھی تکلیف کی گئی ہو سوائے اس ٹائٹل کے جو بڑا خوبصورت تھا مایوس تو ہوئے لیکن اُسے ہمارے ہاں ہونے والی تحقیقی کام کے نمونے کے طور پر رکھ لیا۔ شاہجہان خان بڑے علم دوست شخص ہیں انہوں نے بھلے وقتوں میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایڈ کر رکھا ہے ان سے شناسائی 1983 میں ہوئی۔ جب وہ ایبٹ آباد میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ شناسائی دوستی میں تبدیل ہوگئی میں نے ان سے کہا خان صاحب اگر ہمارے اخلاقیات کا یہی معیار رہا تو ہماری تعلیم کا کیا بنے گا؟ خان صاحب مسکرائے اور بولے ڈاکٹر صاحب سب کچھ آپ کے سامنے ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ تحقیق کے معیار کا تمام تر انحصار محقق کی علمی قابلیت اور پیشہ ورانہ دیانت پر ہے، جب محقق محض کاروائی ڈالنے کے لیے اس قسم کی حرکتوں کو اشعار بنالے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

ہم نے کوئٹہ میں ایک ہفتہ قیام کیا اور بلوچستان کے تعلیمی ڈھانچے پر ایک جامع رپورٹ تیار کرکے سیکرٹری تعلیم مظفر علی شاہ کے حوالے کی اس رپورٹ میں ہم نے آئندہ پانچ سال کے لیے منصوبہ بندی کرکے باقاعدہ اعداد و شمار کے ذریعے بتایا کہ اگر اس رپورٹ پر عمل درامد ہو تو 1988 کے اختتام تک بلوچستان میں کوئی استاد غیر تربیت یافتہ نہیں رہے گا، لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس رپورٹ کو کسی نے پڑھنے کی

تکلیف گوارہ نہیں کی۔ کیونکہ اس کے چھ سال بعد 1990 میں بلوچستان کے سیکریٹری تعلیم ناصر الدین احمد نے جو ہمارے ایک تربیتی پروگرام افتتاحی تقریب میں مہمان خصوصی تھے شکوہ کیا کہ بلوچستان کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ میں نے اس رپورٹ کا حوالہ دیا ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے دفتر میں مذکورہ رپورٹ تلاش کریں، رپورٹ ان کے دفتر میں موجود تھی انہوں نے دیکھی اس کی تعریف کے ساتھ ہی معذرت بھی کی کہ اس رپورٹ پر عمل درامد تو درکنار اس اسے کسی نے دیکھنے کی زحمت بھی نہیں اٹھائی، ایشیائی ترقیاتی بینک کے قرضے سے مکمل کیے گئے تربیت اساتذہ کے منصوبے کے تحت 27 سے 28 تحقیقی رپورٹیں تیار ہوئیں جن میں سے شاید ہی کسی کی سفارشات پر عمل کیا گیا ہو حالانکہ ان پر کروڑوں روپے خرچ کیے گئے تھے اور اب الماریوں میں پڑی دیمک کے کام و دہن کی تشفی کر رہی ہے تعلیم کے شعبے میں بارانی زرعی یونیورسٹی کے ادارہ تعلیم و تحقیق میں ہونے والا کام نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ بدقسمتی سے یہ ادارہ جناب وائس چانسلر کو ذاتی طور پر پسند نہیں تھا لہذا اپنی شبانہ روز محنت سے اسے بند کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس ادارے سے اب تک 68 سے زیادہ پی ایچ ڈی اور 24 ایم فل کے سکالرز اپنی تحقیقی مقالے مکمل کرکے ڈگریاں حاصل کرچکے ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی نگرانی میں 35 پی ایچ ڈی اور 13 ایم فل کے سکالرز کے مقالے مکمل کرائے جن میں مختلف موضوعات پر تحقیق کرکے بڑی مفید قسم کی سفارشات پیش کی گئی ہیں لیکن مجھے نہیں امید کہ انہیں کسی بھی سطح پر قابل غور سمجھا جائے۔ طالب علم کو ڈگری کی ضرورت ہوتی ہے، ارباب اختیار بھی سمجھتے ہیں کہ ایسی تحقیق ڈگری کے علاوہ اور کوئی افادیت نہیں حالانکہ اس امر کی شدت سے ضرورت ہے کہ تعلیمی تحقیق اور تعلیمی منصوبہ بندی کے اداروں کے مابین ایک مضبوط رابطے کی فضا پیدا کی جائے تاکہ ملک کے اندر ہونے والی تحقیق سے خاطر خواہ استفادہ کیا جا سکے۔

لیڈز یونیورسٹی میں کانفرنس

بعنوان

انٹیگریشن آف سوشل سائنسز

پروفیسر ملک محمد شریف

لیڈز یونیورسٹی لاہور میں یکم مارچ تا تین مارچ کانفرنس آف انٹیگریشن آف سوشل سائنسز کا انعقاد ہوا۔ کانفرنس کی صدارت لیڈز یونیورسٹی کے وائس چانسر پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی نے کی جبکہ چیئرمین اخوت فاؤنڈیشن ڈاکٹر محمد امجد ثاقب اور چیئرمین پنجاب ہائر ایجوکیشن ڈاکٹر شاہد منیر مہمانانِ خصوصی تھے۔ تلاوت قران مجید کے بعد کانفرنس کے سیکرٹری ڈاکٹر محمد جاوید اقبال نے کانفرنس کے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس عظیم و شان تقریب کی غرض و غایت بیان کی۔ افتتاحی سیشن میں چیئرمین اخوت فاؤنڈیشن ڈاکٹر امجد ثاقب نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس عظیم ادارے میں آکر بہت مسرت ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کانفرنس کا موضوع اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا اہم ہے، علم کا حصول بہت ضروری ہے تاکہ لوگوں کو کائنات کے بارے میں معلومات مل سکیں۔ سکالرز عوام الناس کو ریسرچ کرکے بتائیں کہ علوم نے دنیا کو خوبصورت اور خوشحال بنا دیا ہے۔ انسان اللہ تعالی کا نائب ہے علم کا حصول اس کا پھیلاؤ اور ان کی ذمہ داری ہے۔ مسلم تہذیب نے مختلف علوم کے حصول اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مسلمانوں نے علم تاریخ جغرافیہ اخلاقیات طب اور سائنس کی ترقی میں صف اول کا کردار ادا کیا ہے۔ اب ہم نے کمپیوٹر کو اپنا لیا ہے علم کے بغیر روحانیت کا سفر بھی ناممکن ہے۔ پنجاب ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئر پرسن پروفیسر ڈاکٹر شاہد منیر نے کہا کہ میں منتظمین کا شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے مجھے اس کانفرنس میں شرکت کا موقع دیا اور ہمیں اس عنوان پر گفتگو کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کو سمجھنے میں سوشل سائنسز کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس قسم کی کانفرنسز خیالات کی ترسیل کا ذریعہ بنتی ہیں۔ آپ کوئی بھی مضمون پڑھیں اس کے اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سوشل سائنسز کے مطالعہ کے بغیر دنیا کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ امید ہے یہ یونیورسٹیاں ان علوم کی تحقیق کے نیٹ ورک کو آگے بڑھائیں گی۔

ظہور احمد وٹو
چیئرمین بورڈ آف گورنرز، لاہور لیڈز یونیورسٹی

ڈاکٹر خالد بن محمد جن کا تعلق وزارت مذہبی امور عمان سے ہے اور وہ وہاں بحیثیت مشیر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اُمت مسلمہ کے پاس قران مجید کتاب کی شکل میں موجود ہے۔ جس کے اندر تمام علوم موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اہل علم اُمت اسلامیہ کے رہنما ہیں۔ ان کے فرائض میں علم کو پھیلانا ہے انہیں اپنا کام کرنا چاہیے ورنہ قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے کہ انہوں نے صاحب علم ہونے کے باوجود ذمہ داری نہیں نبھائی، دوسری بات یہ ہے جس مقام پر آج ہم ہیں وہ ہمارے آباؤ اجداد کا دیا ہوا اثاثہ ہے۔ اگر آپ نے دوبارہ وہ مقام حاصل کرنا ہے تو اللہ کی کتاب اور مسلمانوں کے دیے ہوئے علمی خزانوں کا مطالعہ کریں۔ اللہ کی کتاب میں تمام انسانی اور دیگر علوم موجود ہیں، تیسری بات جو ترقی کی بنیاد ہے کہ میرے رب نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لاؤ۔ محکمہ تعلقات عامہ پنجاب کے ڈپٹی ڈائریکٹر مقبول ملک نے کہا کہ میڈیا ایک بنیادی ڈسپلن ہے۔ میڈیا معاشرے اور تہذیب کی جان ہے، میڈیا کسی بھی معاشرے کے مزاج کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ میڈیا کو معاشرے کا ترجمان بھی کہا جاتا ہے ذرائع ابلاغ کے بغیر ہم دنیا سے کٹ کر رہ جاتے ہیں ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے عظیم انقلاب کا ایک بڑا پہلو سوشل میڈیا ہے۔

قائداعظم لائبریری کے ڈائریکٹر تجمل عباس رانا نے کہا کہ کانفرنس تحقیق کے میدان میں بہترین کردار ادا کرے گی۔ میں منتظمین کی خدمات کو سراہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مشاہیر بیک وقت کئی علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ مثلاً جابر بن حیان جو مشہور کیمیادان ہیں وہ کیمسٹری کے علاوہ اور بھی بہت سے علوم جانتے تھے۔ ہمیں بھی تمام علوم کی ضرورت ہے۔ ملیشین سکالر یادانی بن تیک چیک نے کہا کہ میں 1993 میں بھی پاکستان آیا تھا، اس کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر میں پاکستان آتا جاتا رہا ہوں۔ میں پاکستان کے کلچر سے آگاہ ہوں۔ میں نے پاکستانی معاشرے میں کافی تبدیلی دیکھی ہے، یہاں معاشی اور معاشرتی ترقی بھی ہوئی ہے ہمارے ہاں ملائشیا بھی کئی قسم کے مسائل ہیں شہروں اور دیہاتوں میں غربت ہے۔ ہمیں معاشرے کو بہتر بنانے کے لیے معیشت اور تعلیم کو بہتر بنانا ہوگا اس سلسلے میں ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا۔

ڈین آف سوشل سائنسز اینڈ ہومینیٹیز لیڈز یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر نے ملکی اور غیر ملکی سکالرز کی کانفرنس میں شمولیت پر مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کانفرنس کا انعقاد یونیورسٹی کے لیے ایک یادگار لمحہ ہے۔ کانفرنس کا آغاز جدید ریسرچ کی طرف پہلا قدم ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ چیلنجز پر تحقیق کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے، یہ کانفرنس سکالرز کے لیے پلیٹ فارم

(بائیں سے دائیں) انٹیگریشن آف سوشل سائنسز کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ڈاکٹر امجد ثاقب، ڈاکٹر شاہد منیر، وائس چانسلر ڈاکٹر ندیم بھٹی، ڈاکٹر رفاقت علی اکبر، مقبول ملک، ڈاکٹر خالد بن محمد، تجمل عباس رانا، ڈاکٹر جاوید اقبال خطاب کر رہے ہیں۔

مہیا کرے گی اور پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرے گی۔ میں فیکلٹی کی نمائندگی کرتے ہوئے تمام شرکاء کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت نکالا تاکہ ہمارا سیشن کامیاب ہو سکے۔ افتتاحی سیشن کے آخر میں وائس چانسلر لیڈز یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی نے مہمانان، سکالرز، اساتذہ اور طلبہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی شرکت سے تقریب کو چار چاند لگائے۔ انہوں نے خاص کر ڈین فیکلٹی لیڈز یونیورسٹی کی کاوشوں کو سراہا اور کہا کہ ان کے بغیر کانفرنس کا انعقاد ناممکن تھا۔ انہوں نے ماضی میں ادارہ تعلیم و تحقیق میں ملکی اور بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد میں اہم کردار ادا کیا۔ وائس چانسلر نے کہا کہ ہم پچھلے کئی دنوں سے کانفرنس کے انعقاد کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ڈاکٹر رفاقت کے ساتھ پوری ٹیم نے محنت کی۔ انہوں نے کہا کہ کانفرنس کی سفارشات پر عمل درامد کیا جائے گا اس کے نتیجے میں بہت سے مضامین متعارف کرائے جائیں گے اور تحقیقی مقالہ جات میں مختلف چیزیں ملیں گی جو ہماری رہنمائی کریں گی۔

کانفرنس کے دوسرے دن پہلے سیشن کا آغاز 10 بجے صبح ہوا۔ اس سیشن کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر روف اعظم وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی رسول (ضلع منڈی بہاؤالدین) نے کی اس سیشن کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

ڈاکٹر محمد حفیظ طاہر نے کلام پاک کی تلاوت اور حدیث نبوی ﷺ اور اس کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی وائس چانسلر لاہور لیڈز یونیورسٹی نے مہمانان گرامی اور کلیدی مقررین کو خوش آمدید کہا۔ پروفیسر ڈاکٹر ریاض الحق طارق پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید پروفیسر ڈاکٹر محمد شاہد فاروق اور پروفیسر ڈاکٹر نوشینہ سلیم نے بطور کی نوٹ سپیکر خطاب کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر نے اختتامی کلمات ادا کیے اور تقریب کے آخر میں پروفیسر ڈاکٹر روف اعظم نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے سماجی علوم کی معاشرتی ترقی میں کردار پر روشنی ڈالی اور انہیں انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر کے لیے ضروری قرار دیا۔

کانفرنس کے تیسرے دن دو اجلاس ہوئے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر طارق محمود چوہدری ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ اف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ یونیورسٹی آف پنجاب لاہور نے کی۔ اس سیشن میں دو بین الاقوامی مندوبین جناب سعد احمد (برطانیہ) اور علی کاوسی نژادی (ایران) نے شرکت کی۔

اور اپنے خیالات کا اظہار کیا اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر اعجاز احمد (ایجوکیشن) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز (اسلامیات) نے بھی تقریریں کیں۔ اور آخر میں پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر کانفرنس چیئر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پروفیسر ڈاکٹر طارق محمود نے صدارتی کلمات ادا کیے۔

کانفرنس کا اختتامی اجلاس جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے کی۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی وائس چانسلر لاہور لیڈز یونیورسٹی نے کانفرنس میں شرکت کرنے والے مہمانوں مندوبین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اور ڈاکٹر رفاقت علی اکبر نے اختتامی تقریر کی۔ جبکہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر خالد محمود نے بطور تقریب کے صدر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں ڈاکٹر خالد محمود وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے کانفرنس کے منتظمین میں ان کی کارکردگی پر انہیں یادگاری شیلڈز پیش کیں۔

کانفرنس آرگنائزنگ کمیٹی

تقریب بسلسلہ ریٹائرمنٹ
ملک محمد یعقوب پرنسپل سلمانیہ ہائی سکول سمن آباد لاہور

ملک محمد یعقوب پرنسپل سلمانیہ پبلک ہائی سکول کی ریٹائرمنٹ پر سکول اساتذہ کی طرف سے الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر ڈین فیکلٹی اف ہومینٹیز اینڈ سوشل سائنسز لاہور لیڈز یونیورسٹی اور سابق ڈائریکٹر ائی ای ار پنجاب یونیورسٹی تھے جبکہ صدارت ملک محمد شریف سابق ای ڈی او (ایجوکیشن) نے کی۔ ملک محمد شریف نے جناب ملک محمد یعقوب کو ان کی خدمات کے سلسلے میں زبروست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ یعقوب صاحب ایک نامور اور مخلص استاد ہیں وہ قدیم اور جدید علوم سے مکمل اگاہی رکھتے ہیں۔

ان کو قلم کتاب اور تدریس پر قدرت حاصل ہے۔ ان کے اساتذہ نے انہیں زبروست منتظم اور عہد حاضر کا استاد قرار دیا۔ سٹاف نے ان کی حسن کارکردگی کو سراہا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر نے ملک محمد یعقوب کے تعلیمی سفر اور کارگردگی پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ ایسے لوگ اپنے راستے خود تلاش کرتے ہیں، لوگ جہاں بھی جاتے ہیں اپنی داستانیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ملک محمد یعقوب نے تدریس کے میدان میں ایک لمبا عرصہ گزارا وہ اپنے طلبہ کے لیے سایہ رحمت تھے۔

ملک محمد یعقوب نے اس تقریب میں شمولیت پر حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ 1987 میں میں نے سروس کا اغاز کیا اور اج کی تاریخ میں اسے احسن انداز سے مکمل کیا۔ تقریب سے ڈی ای او نیر اقبال، سابق ڈی ای او میاں مقصود، پروفیسر ڈاکٹر اعجاز تتلہ، ہ ملک محمد اشرف، سید محمد بشیر، مولانا فضل الرحمن، قیصر شاہ اور سید فرقان شاہ نے بھی خطاب کیا۔

(رپورٹ اقبال چاند)

پرنسپل سلمانیہ ہائی سکول ملک محمد یعقوب کی ریٹائرمنٹ کے موقع پر الوداعی تقریب سے ڈاکٹر رفاقت علی اکبر، ملک محمد شریف، نئیر اقبال، سید فرقان حیدر، عمر عبداللہ اور دیگر مقررین خطاب کر رہے ہیں۔

ملک یعقوب اور دیگر دوستوں کا ڈاکٹر رفاقت علی اکبر کے ہمراہ گروپ فوٹو

اکیسویں صدی کا تعلیمی ادارہ

تحریر: مالک خان سیال

دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح تعلیم و تعلم میں بھی اکیسویں صدی کے چیلنجز اور رجحانات سابقہ ادوار سے قطعی مختلف ہیں۔ آج کا تعلیمی ماڈل ماضی میں رائج سبھی ماڈلز سے بالکل جدا ہے۔ اکیسویں صدی کی ضروریات پوری کر پانے، ایجادات کے اس زمانے میں اپنا حصہ ادا کر سکنے اور روز افزوں بدلتے زمانے کی ضروریات کے مطابق ڈھلنا تعلیمی اداروں کے لیے جہاں ایک چیلنج ہے وہیں نشانِ منزل بھی۔ ہر دور کے الگ تقاضے ہوتے ہیں اور اداروں سے یہی امید کی جاتی ہے کہ وہ آج کی ضرورت کے مطابق افراد تیار کریں۔

اکیسویں صدی تبدیلیوں اور ترقی کی صدی ہے۔ تعلیمی منظر نامے میں آئے روز بے شمار تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور ہر آنے والا دن کئی طرح کے تعلیمی میتھڈز اور کئی طرح کے تصورات کو ساتھ لائے طلوع ہو رہا ہے۔

آج کل اداروں میں تقابلی تدریس کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ اب کتاب اور قلم سے ہٹ کے تصورات کی وضاحت پر بات ہو رہی ہے۔ سٹوڈنٹ سنٹر اپروچ آج کے ماہرین تعلیم کا موضوع ہے اور ان کی سبھی کاوشیں اسی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔

آج دنیا سکولوں سے تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ شخصیت کی تعمیر چاہتی ہے۔ دنیا اداروں کو ان کے معیارِ تعلیم سے پہچان رہی ہے۔ آج کے تعلیمی ادارے کو معاشرے میں موجود بچوں کے لیے وہ تمام سہولیات دینا در تعلیم کا وہ معیار فراہم کرنا ہوگا جو ان بچوں کی ضرورت ہے۔ وہ ادارہ جو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور ایسے افراد پیدا کر رہا ہو جو اس صدی کو مطلوب ہیں ہی کو مثالی تعلیمی ادارہ کہا جائے گا۔

ہم درج ذیل سطور میں ایسے سبھی عوامل اور خصوصیات جو اکیسویں صدی میں مثالی سکولوں کا خاصہ ہیں کو ڈسکس کرتے ہیں:

1) مقاصد (Objectives)

ہر مثالی تعلیمی ادارے کے لیے اس کے وژن اور مشن کا تعین اور پھر اس کے حصول کے لیے منصوبہ بندی اور کاوش اہم ہوتی ہے۔ اسی مشن کی روشنی میں تعلیم و تربیت کا معاملہ تکمیل پاتا ہے۔ یہ مشن ایک ایسا روڈ میپ ہوتا ہے جس پر چلتے ہوئے منزل تک رسائی کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سکول کی منزل کیا ہے۔ یہ مشن، نصب العین یا مقصد مختصر اور جامع ہوتا کہ اس کا حصول ممکن ہو۔

2) ماہر اور مستند اساتذہ (Expert and Qualified Teachers)

جب تک ادارہ کے اساتذہ میں قابلیت اور صلاحیت نہ ہو وہ طلباء کو کیسے صحیح معنوں میں علم منتقل کر سکتے ہیں۔ اس لیے مثالی ادارے اساتذہ کو بھرتی کرنے سے قبل متعلقہ معیار جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا یہی جاتا ہے کہ استاد ویسے ہی پڑھاتے ہیں جیسا انہیں پڑھایا گیا تھا لیکن اب نصاب میں بے شمار تبدیلیوں اور ٹیکنالوجی کے استعمال سے اساتذہ کو جہاں مہارتیں بڑھانے کی ضرورت ہے وہیں اداروں کو اساتذہ کو بھرتی کرتے وقت معیار مطلوب دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اساتذہ کو اکیسویں صدی میں اپنے متعلقہ مضمون میں مہارت، طریقہ تدریس میں امتیاز، سمعی و بصری معاونات کے استعمال اور جدید تعلیمی رجحانات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

3) معاونت سے بھرپور تعلیمی ماحول (A Supportive Learning Environment)

فرد کو مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے مخصوص ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً عبادت گاہ میں عبادت کا ماحول ہوتا ہے اور انسان وہاں سکون قلب سے

عبادت کرسکتا ہے۔اسی طرح ایک سکول کے لیے تدریس وتعلیم کا موثر ماحول ہونا لازم ہے۔ایسے ماحول کے بغیر تربیت اور سیکھنے کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ سکول کا ماحول ایسا ہو کہ طلبا کو گھر سے زیادہ سکول میں رہنا اچھا لگے۔انہیں سکول سے چھٹی کرنا پسند نہ ہو۔یہ ماحول بچے اور استاد پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔تعلیمی وتربیتی ماحول پیدا کرنے کے لیے جہاں اور بہت ساری طبعی اشیاء وخصوصیات کا ہونا ضروری ہے وہاں استاد کا موثر کردار بہت اہم ہے کیونکہ استاد اس ماحول کا بنیادی جزو ہے۔

سکول کی عمارت سرسبز وشاداب ، پائیدار اور ضروری سہولیات سے آراستہ ہونی چاہیے۔مثلاً روشن ہوادار کمرہ ہائے جماعت، اکیسویں صدی کی ضرورتیں پوری کرتا انفراسٹرکچر ،تازہ ترین معاون وتدریسی مواد، سمعی وبصری معاونات اور ضروری آلات سے مزین لیبارٹری ،پروجیکٹر یا ملٹی میڈیا کی فراہمی اور ورزش/کھیل کا میدان،جدید دور کی ضروریات کے لحاظ سے لائبریری۔ اس کے علاوہ واش روم اور پینے کے صاف پانی کی سہولت، کسی بھی ہنگامی حالت کی صورت میں ابتدائی طبی امداد کا انتظام اور ٹیم ورک کے اوپر خاص توجہ

4) سکول کا موثر انتظام وانصرام (Effectively Managed School)

ایک سکول تبھی مثالی سکول کا درجہ حاصل کرسکتا ہے جب اس کی قیادت مضبوط اور موثر ہو۔تعلیمی ادارہ براہ راست معاشرے میں واقع ہوتا ہے اس لیے اس کی قیادت کی معاشرتی تعلقات میں مضبوطی بہت لازم ہے۔تعلیمی ادارے اس حوالے سے والدین کی توقعات کو سامنے رکھتے ہیں اور اس کے مطابق پورا پلان بھی۔ مزید برآں اکیسویں صدی سکول سے ایک جامع انتظام وانصرام کا تقاضا کرتی ہے۔

5) طلباء اور اساتذہ کے تعلیمی اور اخلاقی معیار کی بہتری (Improvement of Academic and Moral Standards)

سکول میں طلباء اور اساتذہ کے اخلاق اور تعلیمی صورتحال پر خصوصی فوکس اکیسویں صدی کی اولین ترجیح ہے۔اس لیے سکول میں طلبہ کی تربیت اور رہنمائی کے لیے جامع عملی پالیسی کے تحت ایک دفتر انتہائی ضروری ہے جو کہ ان کی نصابی وغیر نصابی سرگرمیوں کے انعقاد کا ذمہ دار ہو۔ان کے مسائل سنے جائیں اور ان کا حل نکالا جائے۔اس دفتر کو سٹوڈنٹ Facilitation سنٹر یا سٹوڈنٹ افیئرز سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح اسی فورم سے اساتذہ کی اخلاقی وتعلیمی بہتری کے لیے بھی اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔

6) ذاتی نوعیت کی تعلیم (Personalized Learning)

یہ ایک حقیقت ہے کہ سبھی بچوں کا مقیاس ذہانت ایک جیسا نہیں ہوتا اور نہ سبھی ایک جیسے طریقہ تدریس سے یکساں سیکھ پاتے ہیں۔ ہر بچے کے لیے انفرادی طریقہ ہی بہترین نتائج لاسکتا ہے۔اکیسویں صدی کے تقاضوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اداروں میں ہر سطح کے طلبہ کے لیے سیکھنے کے مختلف لیول اور پیٹرن طے کرنے کی ضرورت ہے تاکہ طلباء ان طریقوں سے سیکھ سکیں جو ان کی ذاتی ضروریات کے مطابق ہوں۔اس حوالے سے اساتذہ اپنے تدریسی طریقوں کو کئی طرح سے ایڈجسٹ کرسکتے ہیں جیسے:

- مواد کی تقسیم کار میں فرق؛
ترسیل کے طریقوں میں فرق؛اور
- جائزے کی حکمت عملیوں میں فرق

روایتی اور پرانے طریقہ ہائے تدریس میں کلاس کے تمام طلباء کو ایک ہی وقت میں ایک ہی طریقے سے ایک ہی مواد پڑھایا جاتا تھا۔ تدریس کے نمونے کے تحت ہدایات عام طور پر ٹرانسمیشن طرز کی ہوتی تھیں جسے اکثر تعلیم کا بینکنگ ماڈل کہا جاتا ہے۔

7) مساوات،تنوع اور شمولیت (Equity, Diversity And Inclusivity)

20ویں صدی میں طلباء سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سکول پالیسی کے مطابق ہوں گے یا خارج کردیے جائیں گے۔لیکن 21ویں صدی میں سماجی شمولیت اور فرق کا جشن منایا جاتا ہے۔اب کلاس رومز میں مساوات،تنوع اور شمولیت کو اپنایا جاتا ہے۔

مساوات:اکیسویں صدی کے ماہرین تعلیم کا مقصد نتائج کی مساوات حاصل کرنا ہے۔ ماہرین تعلیم امیر اور

غریب کے درمیان کامیابیوں کے فرق کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

تنوع: تنوع کو اب کلاس رومز میں ایک طاقت سمجھا جاتا ہے۔ جب طلباء مختلف ہوتے ہیں، تو وہ سیکھتے ہیں کہ فرق ٹھیک ہے۔ وہ مختلف ثقافتوں کے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں اور اپنے آس پاس کی دوسری ثقافتوں سے خوفزدہ نہ ہونا سیکھتے ہیں۔

شمولیت: اہلیت کی تمام سطحوں، جسمانی معذوری یا سیکھنے کی معذوری والے طلبہ آج عام سکولوں میں دیگر بچوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

8) کام کر کے سیکھنا (Learning Through Doing)

تعلیم کے پرانے طرز عمل کے طریقے جو 20ویں صدی میں عام تھے جیسے:

- o معلومات کی یادداشت
- o استاد سے طالب علم تک معلومات کی ترسیل
- o اپنے ذہن کو حقائق سے بھرنا

جبکہ آج اکیسویں صدی میں ہم کام خود کر کے کے دیکھنے کے ذریعے سیکھ رہے ہیں، ہم:

- □ حقیقی دنیا میں معلومات کو لاگو کرنے کا تجربہ
- □ آزمائش اور غلطی کے ذریعے سیکھنے کا موقع (تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ کچھ سچ کیوں ہے یا نہیں)۔
- □ کچھ نہیں بتایا جاتا، بلکہ ہم اپنے اردگرد کی دنیا کے ساتھ اپنی مصروفیت کے ذریعے چیزوں کو دریافت کرتے ہیں۔

9) معلم اور متعلم کے کردار پر نظر ثانی (Rethinking Learner And Teacher Roles)

اکیسویں صدی میں، کلاس رومز استاد مرکز سے طالب علم مرکز میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

ماضی میں طلباء تمام توجہ استاد پر مرکوز رکھتے اور استاد کی باتیں سنتے تھے۔ اب، استاد ان طلباء پر توجہ مرکوز کرتا ہے جو توجہ کا مرکز ہیں۔ استاد کا کام سیکھنے کے عمل کے دوران طلباء کی تربیت میں مدد کرنا ہے۔ طلبا کو مضبوط کمیونیکیشن سکل، تنقیدی سوچ اور پرابلم سالونگ سکل سکھانے کے لیے بہرحال Student Centre Approach ہی قابل عمل ہے۔

اکیسویں صدی میں استاد اور طالب علم دونوں کے کردار بدل چکے ہیں:

استاد بطور سہولت کار: استاد اب طلباء کے ساتھ شریک سیکھنے والا ہے۔ استاد کو اب بھی ماحول کو محفوظ بنا کر اور سیکھنے پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ کلاس روم کا ماحول اب بھی استاد کے لیے بہت زیادہ ہے۔ تاہم، اساتذہ اب صرف موضوعات پر حکام نہیں ہیں۔ اس کے بجائے، ان کا کام طلباء کی رہنمائی میں مدد کرنا ہے کیونکہ طلباء فعال عمل کے ذریعے سیکھتے ہیں۔

فعال طلباء: طلباء سننے کے بجائے عمل سے سیکھتے ہیں۔ اس لیے طلبہ کو اپنی تنقیدی سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے خود نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔

10) کمیونٹی سے تعلقات (Community Relationships)

ہماری کمیونٹیز میں حیرت انگیز طور پر مفید لوگ موجود ہیں جو ہمارے طلباء کو ہم سے کہیں بہتر سکھا سکتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔

اساتذہ جانتے ہیں کہ وہ ہر چیز کے ماہر نہیں ہو سکتے۔ لیکن دنیا میں ہر موضوع کے لیے ایک ماہر موجود ہے۔ آج کئی صورتیں موجود ہیں جہاں طلبہ مختلف پروجیکٹس اور پورٹ فولیوز کمیونٹی کی انوالومنٹ کی وجہ سے بہتر سرانجام دے رہے ہیں۔ البتہ اس معاملے میں کمیونٹی کی مہارتوں اور علم سے فائدہ اٹھا کر، ہم اپنے طلباء کے لیے سیکھنے کے مزید بہتر مواقع بنا سکتے ہیں۔

11) ٹیکنالوجی کا استعمال (Use of Technology)

جدید ٹیکنالوجیز آج کلاس رومز میں ناقابل یقین حد تک مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔ ابھی کلاس روم میں چلیں اور آپ حیران رہ جائیں گے کہ صرف ایک دہائی میں چیزیں کتنی بدل گئی ہیں۔ ٹیکنالوجی ہر جگہ ہے۔ البتہ نئی سیکھنے کی ٹیکنالوجی کو مناسب طریقوں سے استعمال کرنا ضروری ہے۔ ٹیکنالوجی کا استعمال طلباء کی معلومات تک

رسائی میں مدد کرنے کے لیے کیا جانا چاہیے۔

آج کل آرٹیفشل انٹیلی جنس (AI) کی مدد سے طلبا اپنے تعلیمی مسائل حل کر رہے ہیں اور سیکھ رہے ہیں۔ ہر سکول میں کمپیوٹر لیب اور انٹرنیٹ کی سہولت موجود ہونا ضروری ہے۔ طلبا سے موبائل چھیننے کی بجائے انہیں موبائل کے ذریعے ڈیجیٹل ایجوکیشن کی جانب گامزن کرنا چاہیے۔ طلبا کو آٹھویں جماعت تک اس قابل بنا دینا چاہیے کہ وہ لیپ ٹاپ، ٹیب یا موبائل فون کے ذریعے کئی پروجیکٹس کر سکنے کے قابل ہو سکیں۔

12) ٹیچر پروفیشنلائزیشن (Teacher Professionalization)

اساتذہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج تیزی سے بدلتا ہوا تعلیمی ماحول ہے۔ نئی ٹیکنالوجیز تیزی سے کلاس رومز میں آ رہی ہیں تاکہ ہمارے تمام طلباء کے لیے سیکھنے کو ذاتی بنائے اور مدد کرنے میں ہماری مدد کی جا سکے۔ اساتذہ کی ٹریننگز مسلسل ہونی چاہییں۔ اساتذہ کی بھرتی کے وقت قابلیت اور اہلیت کو مدِ نظر رکھا جائے نہ کہ تعلقات وسفارش کو۔ ایک مثالی ادارہ کی تشکیل میں معلمین کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔

لہٰذا اساتذہ کی ملازمت میں ترقی اور تنخواہوں میں اضافے جیسی ترغیبات کو استعمال کرتے ہوئے ان کی کارکردگی کو خوب سے خوب تر بنایا جا سکتا ہے۔

ہمیں سیکھنے کو بڑھانے کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال، اور بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ طالب علموں کو بہترین سیکھنے کا موقع ملے، 21ویں صدی میں اساتذہ کو مسلسل تربیت اور مدد دی جا رہی ہے۔ انہیں بہترین تدریسی طریقوں سے متعلق تمام تازہ ترین تحقیق جاننے کی ضرورت ہے۔ انہیں خود سے سوالات کرنے، نئی حکمت عملی آزمانے اور اپنے پورے کیریئر میں ماہرین سے سیکھنے کے مواقع کی ضرورت ہے۔ 13) جدید نصاب اور جدید طریقہ تدریس (Modern Curiculum Modern Teaching Methods) اکیسویں صدی ہم سے پرانے اور روایتی نصاب اور طریقہ تدریس کی بجائے جدید دور سے ہم آہنگ نصاب اور اس کے پڑھانے کے طریقوں کا تقاضا کرتی ہے۔

وہی ادارہ جو آج کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے نصاب تیار کرے اور اس نصاب کو بچوں کی وسیع تر لرننگ کو دیکھتے ہوئے طریقہ ہائے تدریس وضع کرے ہی مثالی ادارہ بن سکتا ہے۔ اداروں میں تجرباتی طریقہ تدریس اور پروجیکٹ طرز کی تعلیم پر فوکس کیا جانا چاہیے۔

14) تخلیقی صلاحیت (Creativity in Schools) تخلیقی صلاحیت ایک ایسی مہارت ہے جس کی آنے والی دہائی میں لیبر مارکیٹ مانگ کرے گی (Csikszentmihalyi, 2006)۔ 21ویں صدی میں طلباء کو اس انداز میں تعلیم دینے کی ضرورت ہے کہ وہ آج کی غیر متعین زندگیوں کے چیلنجوں سے نمٹ سکیں۔ اس مقصد کے لیے تخلیقی صلاحیت انفرادی، سماجی، اور عالمی مسائل کو حل کرنے کا مظہر وسائل اور ایک وصف ہے۔ اگرچہ نظم وضبط اور مواد مختلف ہو سکتے ہیں، تخلیقی صلاحیتوں کی ہر جگہ ضرورت ہوتی ہے (Beghetto, 2010)۔ اس لیے اکیسویں صدی کے ہر ادارے کو بچوں کی تخلیقی صلاحیت پر فوکس کرنا ہوگا۔

وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر خالد محمود یوم کشمیر کے موقع پر ریلی کی قیادت کر رہے ہیں۔

واٹس ایپ کے موجد
جین کوم اور برائن ایکٹون

واٹس ایپ کے موجد ’’جین کوم‘‘ کی کہانی واٹس ایپ پہلے ہی دنیا بھر کے لوگوں کو مفت بات چیت کا موقع دے چکا ہے۔ اس کے موجد ’’جین کوم‘‘ کو خود اپنے والد سے دوری اور فون پر بھی بات نہ کر پانے کا جو دکھ تھا، اس کے احساس کی وجہ سے اس نے دوسروں کو قریب لانے والی یہ ایپ ایجاد کی۔

جین کوم یوکرائن کے ایک غریب یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ گھر میں بجلی تھی نہ گیس۔ یہ لوگ سردیوں میں بھیڑوں کے ساتھ سونے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

1992ء میں یہودیوں پر حملے بھی شروع ہو گئے تو والدہ نے نقل مکانی کا فیصلہ کیا لیکن والد نے وطن چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ماں نے بیٹے کا ہاتھ تھاما اور یہ دونوں امریکہ آ گئے۔ کیلیفورنیا میں ان کے پاس مکان تھا، نہ کچھ کھانے کو۔ امریکہ میں حکومت انتہائی غریب لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کیلئے فوڈ سٹیمپس دیتی ہے۔ یہ سٹیمپس خیرات ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اتنے غریب تھے کہ زندگی بچانے کے لیے خیرات لینے پر مجبور تھے۔ جین کوم پڑھنے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی مہنگی ہونے لگی۔ فوڈ سٹیمپس سے گزارہ مشکل ہو گیا۔ جین کوم نے پارٹ ٹائم نوکری تلاش کی تو ایک گروسری اسٹور میں خاکروب کی ملازمت ملی۔ وہ برسوں یہ کام کرتا رہا۔ اتنی غربت میں والد سے فون پر بات بہت مشکل خواہش تھی۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں کمپیوٹر پروگرامنگ کے خبط میں مبتلا ہو گیا۔ یہ شوق اسے سین جوز اسٹیٹ یونیورسٹی لے گیا۔ 1997ء میں وہ ’’یاہو‘‘ میں بھرتی ہوا۔ 2004ء میں فیس بک آئی اور 2007ء میں دنیا کی بڑی کمپنی بن گئی۔ جین کوم نے فیس بک میں نوکری کے لئے اپلائی کیا لیکن فیس بک کو اس میں کوئی پوٹینشل نظر نہ آیا اور اسے نوکری نہ دی۔ وہ مزید دو سال ’’یاہو‘‘ میں رہا۔ اس دوران اس نے تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے آئی فون خرید لیا۔ اس آئی فون نے اس کے مستقبل کی تشکیل کی۔ جین کوم نے فون استعمال کرتے کرتے ایک دن سوچا کہ میں کوئی ایسی ایپلی کیشن کیوں نہ بناؤں جو فون کا متبادل بھی ہو، ایس ایم ایس بھی کیا جا سکے، تصاویر اور ڈاکومنٹس بھی بھجوائی جا سکیں اور جسے ’’ہیک‘‘ بھی نہ کیا جا سکے۔ اس نے یہ آئیڈیا اپنے ایک دوست برائن ایکٹون کے ساتھ شیئر کیا اور یہ دونوں اسی آئیڈیا پر کام میں جت گئے۔ یہاں تک کہ دو سال میں ایک طلسماتی ایپلی کیشن بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ’’ایپ‘‘ فروری 2009ء میں لانچ ہوئی اور اس نے پوری دنیا کو جوڑ دیا۔ یہ ایپلی کیشن ”واٹس ایپ“ کہلاتی ہے۔ دنیا کے ایک ارب لوگ اس وقت یہ ایپ استعمال کر رہے ہیں۔ آپ واٹس ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں آپ کو نیا فون اور نیا نمبر خریدنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور آپ پوری دنیا کے ساتھ رابطے میں بھی رہیں گے۔ جین کوم کو واٹس ایپ نے چند ماہ میں ارب پتی بنا دیا۔ یہ ایپلی کیشن اس قدر کامیاب ہوئی کہ دنیا بھر کی کمپنیوں نے اس کی خریداری کیلئے بولی دینا شروع کر دی لیکن یہ انکار کرتا رہا۔ فروری 2014ء میں فیس بک

بھی ''واٹس ایپ'' کی خریداری کی دوڑ میں شامل ہوگئی۔ فیس بک کی انتظامیہ نے جب اس سے رابطہ کیا تو اس کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور قہقہہ لگا کر کہا، ''یہ وہ ادارہ تھا جس نے مجھے 2007ء میں نوکری دینے سے انکار کر دیا تھا''۔ ہنستے ہنستے اس نے ''فیس بک'' کو ہاں کر دی اور 19 ارب ڈالر میں سودا ہوگیا۔ یہ کتنی بڑی رقم ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ پاکستان کا کل زر مبادلہ 20 ارب ڈالر کے آس پاس رہتا ہے۔ جین کوم نے فیس بک کے ساتھ سودے میں صرف ایک شرط رکھی کہ میں فوڈ سٹیمپس دینے والے ادارے کے ویٹنگ روم میں بیٹھ کر معاہدے پر دستخط کروں گا۔ فیس بک کے لیے یہ شرط عجیب تھی یہ لوگ معاہدہ اپنے دفتر یا اس کے آفس میں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن فیس بک کو اس کی ضد ماننا پڑی۔ تاریخ طے ہوئی، فیس بک والے فلاحی سینٹر پہنچے، وہ ویٹنگ روم کے آخری کونے کی آخری کرسی پر بیٹھا ہوا رو رہا تھا وہ کیوں نہ روتا، یہ وہ سینٹر تھا جس کے اس کونے کی اس آخری کرسی پر بیٹھ کر وہ اور اس کی ماں گھنٹوں ''فوڈ سٹیمپس'' کا انتظار کرتے تھے۔ یہ دونوں کئی بار بھوکے پیٹ یہاں آئے اور شام تک بھوکے پیاسے یہاں بیٹھے رہے۔ ویٹنگ روم میں بیٹھنا اذیت ناک تھا لیکن اس سے بڑی اذیت کھڑکی میں بیٹھی خاتون تھی۔ وہ خاتون ہر بار نفرت سے ان کی طرف دیکھتی تھی، طنزیہ مسکراتی تھی اور پوچھتی تھی کہ ''تم لوگ کب تک خیرات لیتے رہو گے، تم کام کیوں نہیں کرتے؟'' یہ بات سیدھی ان کے دل میں ترازو ہو جاتی تھی لیکن یہ لوگ خاموش کھڑے رہتے تھے۔ خاتون انہیں ''سلپ'' دیتی تھی، ماں کاغذ پر دستخط کرتی تھی اور یہ لوگ آنکھیں پونچھتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔ وہ برسوں اس عمل سے گزرتا رہا۔

چنانچہ جب کامیابی ملی تو اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی اسی ویٹنگ روم میں منانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے 19 ارب ڈالر کی ڈیل پر ''فوڈ سٹیمپس'' کے انتظار میں بیٹھے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر دستخط کئے۔ چیک لیا اور سیدھا کاؤنٹر پر چلا گیا۔ فوڈ سٹیمپس دینے والی خاتون آج بھی وہاں موجود تھی۔ جین نے 19 ارب ڈالر کا وہ چیک اس کے سامنے لہرایا اور ہنس کر کہا، ''آئی گاٹ اے جاب'' اور سینٹر سے باہر نکل گیا۔ یہ ایک مفلس غریب الوطن کے عزم و ہمت کی انوکھی داستان ہے جو ثابت کرتی ہے کہ آپ ڈٹے رہیں، محنت کرتے رہیں تو بالآخر کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے۔ ایک سبق یہ بھی ہے کہ لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرنے والے کو ضرور صلہ ملتا ہے۔

وزیر اعظم محمد شہباز شریف سے قلعہ سیف اللہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے طالب علم اکرام اللہ کی ملاقات

ہمدرد نونہال اسمبلی
رمضان المبارک اور جذبہ کار خیر

گزشتہ دنوں رمضان المبارک اور جذبہ کارخیر کے موضوع پر ہمدرد نونہال اسمبلی کا اجلاس ہمدرد مرکز میں منعقد ہوا اجلاس کی مہمان خصوصی ہیڈ آف مینجمنٹ المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ پاکستان محترمہ نصرت سلیم تھیں جبکہ اسپیکر اسمبلی کے عطیۃ الوکیل اور نظامت کے فرائض فاطمہ شہباز نے نبھائے اجلاس کا آغاز پاکیزہ شاہین نے تلاوت کلام مجید سے کیا اور نونہال آئینہ علی خان نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی ،نونہالان مقررین میں اُفق جہانگیر، وانیہ سلیم، محمد ابن علی خان، ماہ نور عباس، فاطمہ مبین، عیشہ سرفراز اور نونہال محمد طحہ شامل تھے ،نونہال مقررین نے اپنے خطاب میں کہا کہ زندگی اتنی مشکل نہیں جتنی ہم نے بنالی ہے جھوٹی نمود و نمائش اور پیسے کی ہوس نے انسانوں کے مزاج میں تلخی بھردی ہے ،مسائل اتنے ہیں کہ بیمار کی عیادت اور بھوکے کو کھانا کھلانے کا بھی وقت میسر نہیں ،لوگ سکون کی دولت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں وہ شاید نہیں جانتے کہ سکون کا حصول کار خیر سرانجام دینے میں ہے ،رزق میں برکت رزق بانٹنے میں ہے ،دوسروں کی راہ میں کانٹے بچھانے سے اپنے ہی راستے پرخار ہو جاتے ہیں ،نونہالان کا مزید کہنا تھا کہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا ، بیمار پرسی مالی مدد کرنا ، بزرگوں کی خدمت یہاں تک کہ راستے سے پتھر ہٹانا بھی کار خیر ہے اس لیے نیک کام کیجیے تاکہ آپ کی اور دوسروں کی زندگی آسان ہو سکے مہمان خصوصی محترمہ نصرت سلیم نے کہا کہ آج بچوں کی تقاریر سن کر بہت خوشی ہوئی اور اطمینان ہوا۔

کہ حکیم محمد سعید شہید کا جلایا ہوا یہ چراغ دور دور تک روشنیاں بکھیر رہا ، ان کا کہنا تھا کہ رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا مہینہ ہے ،کار خیر کا مہینہ ہے لہذا اپنے اپنے وقت کو قیمتی بنائیں اور کار خیر کے کاموں میں اسے صرف کریں ان کا کہنا تھا کہ بڑوں کا احترام کریں ، اپنے ساتھیوں کی مدد کریں اور اپنی ذات کو اس معاشرے کیلئے خیر کا ذریعہ بنائیں انہوں نے مزید کہا کہ معاشرے میں بہتری لانے کے لیے ہمیں شہید حکیم محمد سعید کے جذبہ کار خیر کو اپنانا ہوگا ، انکے لگائے ہوئے پودے آج سایہ دار درخت بن چکے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اجلاس کے اختتام پر حمزہ بشیر نے ملی نغمہ جبکہ مرتضیٰ ندیم نے دعائیہ کلمات جبکہ جوہر ایجوکیشن سسٹم کی طالبات نے دعائے سعید پڑھی۔

سید علی بخاری ہمدرد نونہال اسمبلی سے خطاب کر رہے ہیں۔

انٹیگریشن آف سوشل سائنسز کانفرنس، لاہور لیڈز یونیورسٹی
کی تصویری جھلکیاں

کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر ڈاکٹر خالد بن محمد، ڈاکٹر امجد ثاقب، پروفیسر ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی، تجمل عباس رانا اور پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر سٹیج پر بیٹھے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی، وائس چانسلر لاہور لیڈز یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی اکبر، پروفیسر ڈاکٹر طارق محمود اور دیگر افراد

انٹیگریشن آف سوشل سائنسز کانفرنس، لاہور لیڈز یونیورسٹی کے افتتاحی سیشن کے بعد شُرکا کا گروپ فوٹو

کانفرنس کے دوسرے دن ڈاکٹر نوشینا، ڈاکٹر رفاقت علی اکبر، رووف اعظم، ڈاکٹر ندیم احمد بھٹی، ڈاکٹر عبدالحمید اور ریاض الحق طارق پلینری سیشن میں سٹیج پر

اختتامی اجلاس کے موقع پر کانفرنس کے شُرکا، کا گروپ فوٹو